ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی

مولانا فراہیؒ مکاتیب شبلی کے آئینہ میں

مولانا حمیدالدین فراہیؒ علامہ شبلی نعمانیؒ کے ماموں زاد بھائی اور شاگرد تھے۔ علامہ شبلی مولانا کو اپنے تمام تلامذہ کے مقابلے میں زیادہ چاہتے تھے، مولانا فراہیؒ کو علمی دنیا میں متعارف کرانے کا کسی حد تک سہرا علامہ کے سر بھی ہے۔ عربی اور فارسی کے ابتدائی اسباق علامہ سے ہی پڑھے، اوائل عمری سے علامہ کو مولانا کی ذکاوت و فراست کا اندازہ ہو چکا تھا۔ مولانا فراہیؒ کی علمیت اور وسعتِ مطالعہ کے پیشِ نظر علامہ نے ان سے دریافت کیا کہ "تم بتاؤ

[1] مولانا حمیدالدین فراہیؒ کی حیات و افکار سے متعلق درج ذیل کتابیں اور مضامین دیکھے جا سکتے ہیں:

۱۔ علامہ حمیدالدین فراہی۔ عنایت اللہ سبحانی اصلاحی، مکتبہ اصلاح سرائے میر اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۸۰ء۔

۲۔ حیات حمید۔ (مرتبہ) عبدالرحمان ناصر اصلاحی۔ دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ۔

۳۔ یادرفتگاں۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ (بدون مطبع و تاریخ) ص ۱۱۰-۱۳۲

۴۔ کتابیات فراہی (تعارف مولانا حمیدالدین فراہیؒ) ڈاکٹر ظفرالاسلام اصلاحی۔ ادارہ علوم القرآن۔ علی گڑھ ۱۹۹۱ء

۵۔ حمیدالدین فراہیؒ۔ اقسام القرآن۔ دارالقرآن۔ کویت، ۱۹۸۰ء، (اس کتاب کے مقدمہ میں سید سلیمان ندوی نے مولانا فراہیؒ کی حیات و خدمات پر روشنی ڈالی ہے)۔

۶۔ COHERENCE IN THE QURAN MUSTANSIR MIR, U.S.A.

۷۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی۔ ترجمان القرآن مولانا حمیدالدین فراہیؒ۔ معارف، ۱۴۷/۲، فروری ۱۹۹۱ء، ص ۸۸-۱۰۰

۸۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی نے "ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد" سے فراہی پروجکٹ پر بڑا تفصیلی کام کیا ہے۔ مولانا فراہیؒ پر اب تک جو کچھ بھی کام ہوا اس پروجکٹ کو ان تمام پر فوقیت حاصل ہے لیکن افسوس کہ چند موانع کی وجہ سے ابھی تک منظر عام پر نہ آسکا۔

کہ عربی زبان میں کون کون سی کتابیں ترجمہ کے لائق ہیں؟"[1] علامہ شبلی بہت سے علمی موضوعات پر مولانا فراہیؒ سے تبادلۂ خیال کرتے تھے جس کا مکاتیب شبلی سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انھیں مولانا کی لیاقت و صلاحیت کا ہمیشہ اعتراف رہا۔ مکاتیب شبلی کی روشنی میں مولانا فراہیؒ کی شخصیت کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس مضمون میں یہ کوشش کی جائے گی کہ مکاتیب شبلی کی مدد سے مولانا فراہیؒ کا ایک مرقع تیار ہو جائے۔

انگریزی زبان

پہلے ان مکاتیب کا جائزہ لیا جائے گا جن میں علامہ نے مولانا فراہیؒ کی عربی اور انگریزی زبان اور مغربی علوم پر ان کی قدرت کے سلسلہ میں اظہار خیال کیا ہے۔ ان خطوط سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انگریزی اور عربی علوم کے باب میں علامہ کو مولانا پر غیر معمولی حد تک اعتماد تھا۔ مستشرقین کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات دینے کے سلسلے میں منشی محمد امین صاحب[2] کو لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کے شبہات کا جواب۔ . . . . تمام ہندوستان میں کوئی شخص مولوی حمیدالدین فراہی پروفیسر میور کالج سے بہتر بلکہ برابر بھی نہیں دے سکتا۔ وہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور علماء کرام سے کتابیں ختم کر کے بی۔ اے ہوئے اور ۸ برس سے قرآن مجید کی خدمت کر رہے ہیں، قرآن مجید کے اشکالات پر ان کے متعدد رسالے عربی زبان میں شائع ہو چکے ہیں، جس پر علماء مصر نے حیرت ظاہر کی۔"[3]

انھیں کے یہاں ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

"ابھی انگریزی لکھنے والے مسلمانوں میں ناپید ہیں اور غیر مذہب والے اس

[1] مکاتیب شبلی۔ سید سلیمان ندوی (مرتب) مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۷۱ء۔ ۱۶/۲

[2] منشی جی صیغہ تاریخ ریاست بھول کے مہتمم تھے، انھیں علامہ شبلی سے گہری عقیدت تھی۔

[3] سید سلیمان ندوی (مرتب) مکاتیب شبلی، طبع چہارم، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۷۱ء، ۱/۲۵۰-۲۵۱

کام کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتے، اس کام کو بخوبی حمید الدین ہی کر سکتے ہیں۔"[1]

مولانا فراہی کی انگریزی زبان و ادب پر غیر معمولی قدرت کا اندازہ مذکورہ خطوط سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ مزید وضاحت کے لیے علامہ کا ایک اور خط ملاحظہ کریں جو سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴-۱۹۲۵) کی ملازمت سے متعلق ہے:

"تمہارے لیے موقع کی تلاش میں ہوں۔ لیکن اتنی جلدی کون کامیاب ہوا ہے۔ میاں حمید اس لیاقت پر تھے جو زمانہ کے موافق بھی تھی، کتنے دنوں کے بعد ٹھکانے لگے۔"[2]

ظاہر ہے یہاں زمانے کی لیاقت سے مولانا فراہیؒ کی عصری علوم سے واقفیت کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ شبلی نعمانی مستشرقین کے رکیک حملوں سے حد درجہ متفکر تھے، مستشرقین کے بیجا اعتراضات کے مدلّل جوابات دینے کے لیے انھوں نے پورا ایک خاکہ تیار کیا۔ تاریخ علم کلام اور سیرۃ النبیؐ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ حالات کے تقاضے کے پیش نظر جدید علم کلام پر بھی لکھنا چاہتے تھے، اس موضوع سے متعلق تمام تر مواد انگریزی میں تھا، جن سے استفادہ کرنا ان کے لیے آسان نہ تھا، اس سلسلے میں مولانا فراہیؒ کو لکھا کہ:

"انگریزی داں تھے، عربی داں تھے، عزیز تھے، لیکن ان سب کچھ ہونے کے ساتھ بھی کچھ نہیں، بہترا کہا کہ یورپ کے فلسفہ کا ہلکا سا ڈھانچہ بھی کھڑا کر دو تو بہت بصیرت ہو۔ تم کو کس کی پرواہ ہے، حالانکہ جو حصہ اب لکھ رہا ہوں اس میں مدد دینا ایک مذہبی اور قومی کام ہے۔"[3]

مولانا فراہیؒ کی انگریزی دانی سے متعلق آرنلڈ (۱۸۶۴-۱۹۳۰ء) کا وہ واقعہ ملاحظہ کریں جس میں انھوں نے علامہ شبلی نعمانی سے کسی عربی قواعد کی کتاب کو انگریزی میں منتقل

---

[1] مکتوب بنام منشی امین ۱/۲۵۴، [2] مکتوب بنام سید سلیمان ندوی ۲/۶۸

[3] مکتوب ۱۶، ۲/۱۰

کروانے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس کام کے لیے علامہ نے مولانا فراہیؒ کا نام پیش کیا اور انھیں لکھا کہ "تم اسے قبول کر لو، کتاب نہایت مختصر ہے اور اصطلاحیں نہایت آسان۔"[1]

سلطنت افغانستان سے جب ابن خلدون کے ترجمہ کا استفسار آیا اور اس پر سلطنت نے دس ہزار نقد دینے کا اعلان کیا تو اس کے لیے علامہ کو پیشکش ہوئی لیکن خرابی صحت کی وجہ سے علامہ نے انکار کر دیا اور مولانا کو لکھا:

"اگر تم اس کام کو پائے اختتام تک پہنچا دو تو اس کی وجہ سے تمہاری عظمت و وقعت لوگوں کی نظروں میں آجائے، نیز تمھیں زندگی گزارنے کے بہت سے وسائل میسر آجائیں گے، لیکن تم کو جنبش نہیں ہوتی۔"[2]

اعزہ کے اصرار پر مولانا نے اسے قبول کر لیا، اس کے بعد امیر کابل عبدالرحمان نے یہ چاہا کہ کلکتہ میں دارالترجمہ قائم کریں، جس میں چار انگریزی اور سولہ ہندوستانی ملازم ہوں اور اس کے سکریٹری کے فرائض علامہ انجام دیں، لیکن علامہ نے انکار کر دیا، جس کی وجہ سے یہ کام نا تمام رہا۔[3]

قرآن کا انگریزی ترجمہ

ندوہ کا اجلاس ۱۹۱۰ء میں جب دلی میں ہوا تو علامہ نے قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کی تجویز پیش کی، کیونکہ عیسائیوں کے ترجمے قابل اعتبار نہیں تھے۔ اس کے لیے علامہ کو ایسے لوگوں کی تلاش تھی جنھیں عربی اور انگریزی دونوں زبانوں پر عبور حاصل ہو، چنانچہ ان کی نگہ انتخاب مولانا فراہیؒ اور نواب عماد الملک (۱۸۴۴-۱۹۲۶) پر گئی۔ نواب صاحب نے ترجمہ کا کام شروع کر دیا اور پندرہ پارہ کے بعد ضعف کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اس ترجمہ کے لیے علامہ ایک ایسی کمیٹی تشکیل دینا چاہتے تھے جو اس کام کا بخوبی جائزہ لے سکے۔ اس کے

---

[1] مکتوب ۲، ۲/۲ - [2] مکتوب ۱۰، ۲/۷

[3] سید سلیمان ندوی۔ حیات شبلی۔ مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۴۳ء، ص ۳۵۱

لیے مولانا فراہیؒ کو لکھا:

"اس کے متعلق افغانستان کے سفیر سردار اسماعیل خاں نے سردست
پانچ ہزار روپیہ دے دیے اور جو مصارف آئیں گے اسے وہ برداشت
کریں گے۔ تم ایسے لوگوں کا نام بتاؤ جو معاوضہ پر یہ کام کر سکیں اور اب تک
جس قدر قرآن مجید کے انگریزی تراجم موجود ہیں ان سے مطلع کرو۔"[1]

اس خط میں علامہ نے معاوضہ پر کام کرنے والوں کے نام مولانا فراہیؒ سے اس لیے دریافت کیے کہ وہی معیاری عربی اور انگریزی جاننے والوں کی نشان دہی کر سکتے تھے۔ مولانا فراہیؒ نے چار پاروں کے انگریزی ترجمے کو دیکھا بھی تھا۔[2]

فارسی زبان

اب تک مکاتیب شبلی میں سے ان خطوط کو پیش کیا گیا جن سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مولانا فراہیؒ عربی اور انگریزی دونوں ہی زبانوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ اب کچھ ایسے خطوط کے اقتباسات نقل کیے جائیں گے جن سے مولانا کی فارسی زبان و ادب پر قدرت کا اندازہ ہوگا۔ مولانا فراہیؒ فارسی کے ایک اچھے اور قادر الکلام شاعر تھے۔ فارسی شاعری پر مشتمل "نوائے پہلوئی"[3] کے نام سے ایک مجموعہ بھی ہے۔ یہ مجموعہ جب پہلی بار شائع ہوا تو اس کی ایک کاپی علامہ نے مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی (۱۸۶۶-۱۹۵۰ء) کی خدمت میں ارسال کرتے ہوئے لکھا:

"مولوی عزیزی حمید الدین کا کچھ کلام چھاپا گیا ہے۔ ایک نسخہ ارسال خدمت
ہے۔ آخر کے دونوں قصیدے ملاحظہ فرمائیے، فارسی زبان اس کا نام ہے۔"[4]

---

[1] مکتوب ۴۹، ۲/۳۳-۳۴، [2] وضاحت کے لیے دیکھیے حیات شبلی۔ ص۔ ۵۸۰-۵۸۱

[3] یہ فارسی مجموعہ ۱۹۶۴ء میں "دائرۂ حمیدیہ" مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ سے شائع ہوا۔

[4] مکتوب بنام شیروانی ۱/۱۲۴

مولانا فراہیؒ کا فارسی زبان و ادب پر عبور کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ نے انھیں اس وقت بھی یاد کیا جب علی گڑھ سے مسٹر آرنلڈ کی رخصت پر الوداعیہ میں مختلف زبانوں میں مختلف لوگوں کو سپاسنامے پیش کرنے تھے۔ فارسی سپاس نامہ کی ذمہ داری علامہ کے سپرد تھی۔ علامہ نے مولانا فراہیؒ کو لکھا کہ:

"مسٹر آرنلڈ قطع تعلق کر کے ولایت جا رہے ہیں۔ علی گڑھ میں ان کو
ایڈرس دیے جائیں گے۔ ایک فارسی میں بھی ہوگا، اس کی مجھ سے فرمائش ہے،
لیکن میں فارسی اچھی نہیں لکھتا، اس لیے تم فوراً ایک تقریر لکھ کر پروفیسر ابوالحسن
علی گڑھ کالج کے پاس بھیج دو۔"[1]

مولانا کی فارسی دانی ہی سے متعلق علامہ کا ایک خط اور ملاحظہ کریں جس میں انھوں نے مثنوی مولانا روم (۶۰۴-۶۷۲ھ) کے متعلق کچھ معلومات فراہم کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ لکھتے ہیں:

"تم نے ایک زمانہ میں مجھ سے کہا تھا کہ تم نے مثنوی مولوی روم غور
سے پڑھی ہے اور ان کے اصول اور پرنسپل متعین کیے، اگر خیال میں ہو تو لکھ بھیجو۔"[2]

علامہ نے انھیں اس وقت تحریر کیا جب وہ "سوانح مولانا روم" لکھ رہے تھے۔ اس خط سے واضح ہے کہ علمی و فکری مباحث میں علامہ کو مولانا پر کس حد تک اعتماد تھا۔

مولانا فراہیؒ کو فارسی قدیم اور جدید دونوں پر دسترس حاصل تھی۔ چنانچہ بہت سے فارسی کے نامانوس الفاظ کی اصل معلوم کرنے کے لیے علامہ نے مولانا فراہیؒ سے رجوع کیا۔ فردوسی (۹۲۲-۱۰۲۰م) کے شاہنامہ سے متعلق مولانا فراہیؒ کو لکھا:

"فردوسی کے اشعار میں کہیں کہیں الفاظ کے معنی تحت اللفظ لکھ دینا،
اس کے اکثر لفظ اب نامانوس ہیں۔"[3]

---

[1] مکتوب ۲۴، ۲/۱۷۔ [2] مکتوب ۲۵، ۲/۱۸

[3] مکتوب ۴۱، ۲/۲۸

مولانا کی فارسی دانی کا اظہار علامہ کے اس خط سے بھی ہوتا ہے:

"فارسی شاعری میں تخیّل کی چند مثالیں حسبِ خیالاتِ یورپ لکھ بھیجو۔"[1]

علامہ شبلی نعمانی خود فارسی کے زبردست عالم تھے جن کے ثبوت کے لیے ان کی تصنیف "شعر العجم" کافی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی انھیں کہیں کوئی اشکال نظر آیا تو اس کے لیے مولانا فراہیؒ سے رجوع کیا۔

تحریک ندوۃ العلماء کو دارالعلوم ندوہ کی شکل دینے میں علامہ کا جو حصہ ہے تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی، اس کی در و دیوار میں علامہ کا پسینہ ہی نہیں خونِ جگر بھی شامل ہے، انھیں ندوہ کے انتظام و انصرام سے غیر معمولی عشق تھا، یہی وجہ ہے کہ مکاتیبِ شبلی اور ان کی دیگر تحریروں میں جا بجا ندوہ کا ذکر موجود ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ دارالعلوم کے طلبہ اچھے اساتذہ سے استفادہ کریں، اس کا انھوں نے بارہا انتظام بھی کیا۔ اسی سلسلے کے کئی خطوط انھوں نے مولانا فراہی کو بھی لکھے کہ وہ کبھی کبھی چند روز قیام کر کے طلبہ کو پڑھائیں۔ علامہ کی حسبِ خواہش مولانا نے طلبہ کو فلسفۂ جدیدہ اور قرآن کریم کے درس دیے[2] ایک بار وعدے کے باوجود مولانا نہ آسکے تو اس پر علامہ نے خط میں ان کا سخت نوٹس لیا۔ جب ندوہ میں مولانا کی آمد کی اطلاع ہو جاتی تو ہر طرف ان کی آمد کا چرچا شروع ہو جاتا۔ مولانا شبلی کے الفاظ میں:

"یہاں مدت سے غلغلہ تھا کہ رخصت لے کر آؤ گے اور "دروس الاولیۃ" پڑھاؤ گے۔ تمھارے بھی متعدد وعدے ہو چکے تھے، سب کو انتظار تھا بلکہ مستقل قیام کی توقع تھی، اب تم نے اپنے وعدے پر، میری ضمانت و اعتبار پر، طلبہ کی امید پر، قومی کام پر، ان سب باتوں پر بچوں کی طرح گھر کے قیام کو مقدم رکھا اور کہا کہ وہیں کوئی لڑکا چلے اور تم پڑھا دو۔ افسوس صد افسوس۔"[3]

مندرجہ بالا خط سے واضح ہے کہ وہ علامہ کو بہت عزیز تھے۔ اتنا تلخ لہجہ صرف اس لیے اختیار کیا کہ ندوہ کے طلبہ ان سے فیضیاب ہو سکیں، خفگی کے عالم میں یہاں تک لکھ گئے۔

[1] مکتوب ۲۵، ۲/۱۸ - [2] معارف اعظم گڑھ، ۲۷/ ۱ و ۲ - [3] مکتوب ۳۱، ۲/۲۲

اس خط کا جواب لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

"الدروس الاولیة فی علوم الطبیعیة" یہ ایک عربی کتاب کا نام ہے جو جدید طبیعیات پر مشتمل ہے جسے علامہ نے ندوہ کے نصاب میں داخل کیا تھا۔ اس کتاب کو وہی عالم پڑھا سکتا تھا جسے انگریزی پر بھی عبور ہو، اس کے لیے بارہا ان کی نظر مولانا ہی پر گئی اور انھیں الدروس الاولیۃ پڑھانے پر زور دیتے رہے:

"دو تین مہینہ قیام کر کے صرف الدروس الاولیۃ پڑھا دو۔ تمھارے لیے میرا کوٹھا نہایت مناسب اور حسبِ مزاج ہوگا۔ اگر تم ترکِ تعلق کر دو گے تو سدرمق کے بقدر کچھ بندوبست ہو رہے گا۔"[1]

اسی سے متعلق دو خط اور بھی ہیں۔ اس کے علاوہ ان سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ مولانا درسِ قرآن بھی دیا کرتے، اور علامہ نے یہ بھی کہا کہ "درسِ قرآن میں اپنی کتابیں بھی پڑھایا کرو۔"[2]

مدرسۃ الاصلاح

علی گڑھ اور ندوہ کے بعد علامہ شبلی نے مستقل قیام کے لیے وطن عزیز اعظم گڑھ کا رُخ کیا، جہاں آخری وقت تک ان کی توجہ کا مرکز مدرسۃ الاصلاح اور شبلی نیشنل اسکول رہا، ان دونوں کو ایک ہی نقطۂ اتصال پر لا کر ان کے ذہن میں "جامعہ اسلامیہ" کا تصوّر اُبھرا، یہ وہ وقت تھا جب آریوں کی تحریک شباب پر تھی، اس تحریک سے مسلمانوں پر بڑے خطرناک اثرات مرتب ہو رہے تھے۔ اس تحریک کے مہلک اثرات سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے علامہ "الاصلاح" کو مستحکم کرنا چاہتے تھے۔ اسی سلسلے میں مولانا فراہی کو لکھا:

"کیا تم چند دنوں سرائے میر کے مدرسہ میں قیام کر سکتے ہو؟ میں بھی شاید آؤں اور اس کا نظم و نسق درست کر دیا جائے، اس کو گروکل کے طور پر خالص

[1] مکتوب ۳۲، ۲/۲۳ - [2] مکتوب ۳۷، ۲/۲۶، مکتوب ۳۰۹، ۲/۲۷

مدرسہ بنانا چاہیے یعنی سادہ زندگی، قناعت اور مذہبی خدمت مطمح زندگی ہو۔"[1]

اسی سے متعلق ایک دوسرے خط میں مولانا کو لکھا کہ :

"اعظم گڑھ شبلی اسکول اور مدرسۃ الاصلاح کا خرچ قوم برداشت کرنے سے قاصر ہے۔ میرا خیال ہے کہ دونوں کو یکجا کر دیا جائے اور ایک ہی مرکز سے دینی وعصری تعلیم دی جائے، بالکل گروکل کے طرز پر ہو، ندوہ کے حالات سے تنگ آگیا ہوں۔ ہم کو اب اعظم گڑھ میں قیام کرنا چاہیے اور وہیں ایک اچھے سے کتب خانہ کی بنیاد ڈال دی جائے۔ اگر تم تیار ہو جاؤ تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔ جب کہ اس وقت یہاں تمھاری پرنسپلی کا مسئلہ چل رہا ہے اور آج منظور بھی ہو جائے گا۔ لیکن یہ پرنسپلی اور تنخواہ چند روزہ ہیں، قومی خدمت اور تھوڑے معاش کے مقابلے میں اسے ہرگز نہ ترجیح دی جائے۔"[2]

اپنے استاذ کی اس درخواست کو حکم کا درجہ دیتے ہوئے مولانا فراہیؒ نے حیدرآباد کی ملازمت سے مستعفی ہو کر اپنی ساری زندگی الاصلاح کے نظم ونسق اور اساتذہ کے درس وتدریس کے لیے وقف کر دی اور اسے درس قرآن کا مرکز بنا کر ۱۹۳۰ء میں مالک حقیقی سے جا ملے۔ الاصلاح کے بانی تو مولانا محمد شفیع ہیں لیکن اسے ایک عظیم قرآنی درسگاہ بنانے میں مولانا حمیدالدین فراہیؒ کا ہی کلیدی رول ہے۔

دارالمصنّفین اعظم گڑھ

۱۹۱۴ء میں مولانا آزاد (۱۸۸۸ - ۱۹۵۸ء) کے 'الہلال' میں علامہ شبلی نے دارالمصنفین کا خاکہ پیش کیا تھا، علامہ اس ادارہ کے ذریعہ ایسے اسکالر پیدا کرنا چاہتے

---

[1] مکتوب ۵۰، ۳۳/۲

[2] مکتوب ۶۸، ۴۶/۲ - ۴۷ - سید صاحب نے اس مسئلے پر "حیات شبلی" (ص ۶۸۶) میں روشنی ڈالتے ہوئے حمید، ۶۷ کا حوالہ دیا ہے جو غلط ہے۔

تھے جن کی تاریخ اسلامی پر گہری نظر ہو اور وہ دشمنانِ اسلام (مستشرقین) کا مدلل ومسکت جواب دے سکیں، اس کے علمی وانتظامی امور کی نگرانی کے لیے علامہ کی نظر مولانا فراہیؒ پر گئی اور انھیں لکھا کہ :

"تم کو متولیوں میں رکھا ہے، اگر دارالمصنّفین قائم ہوا تو تمھارے سوا کون چلائے گا۔؟"[1]

مولانا نے ہر بار کی طرح اس بار بھی اپنے استاذ محترم کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے آخری ایام تک اس کی صدارت کے فرائض انجام دیے، پوری تندہی سے اس کے علمی امور وانتظامی معاملات میں منہمک رہے۔ دارالمصنفین کی نشو ونما میں مولانا فراہی نے ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا۔

سیرۃ النبیؐ اور مولانا حمیدالدین فراہیؒ

علامہ شبلی سیرۃ النبیؐ کی تالیف کے دوران مولانا فراہی کی قرآن دانی، عبرانی زبان سے ان کی واقفیت اور کتب سماوی پر ان کی محققانہ نظر کی وجہ سے ان مقامات پر جہاں اہلِ کتاب اور مستشرقین کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے زبور، تورات اور انجیل سے صرف نظر کرنا ناممکن تھا مولانا فراہی سے رجوع کرتے تھے۔ مثلاً ذبیح اسماعیل سے اہلِ کتاب کے انکار اور اس کے بجائے حضرت اسحاق کو ذبیح قرار دینے سے متعلق ان کو سات خطوط لکھے۔ مقام قربانی کے تعین کے بارے میں صحف سماوی کی روشنی میں تحقیقی نتائج بھیجنے کے لیے دو اور مسکن اسماعیل کے سلسلہ میں اہلِ کتاب کے مزعومات سے متعلق اپنی تحقیقات ارسال کرنے کے لیے دو خط تحریر کیے۔ علاوہ ازیں مکہ کی وجہ تسمیہ، کتب سماوی میں اس کے تذکرہ، تلفظ اور معنی سے متعلق اہلِ کتاب کی فریب کاریوں کے بارے میں بھی مولانا فراہی کو تین خطوط لکھ کر ان کی تحقیقات طلب کیں۔ علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ میں آنحضرت

---

[1] مکتوب ۷۶، ۵۴/۲

صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر قلم اٹھایا تو خاص طور سے ان واقعات کے بارے میں مولانا فراہی کو تین خطوط تحریر کیے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ صلح حدیبیہ اور سورۂ براۃ کے نزول سے اس کے تعلق پر روشنی ڈالنے کے لیے علامہ نے ان سے متعدد خطوط میں استفسار کیا۔ سیرۃ النبیؐ کی تالیف کے دوران علامہ نے کل ملا کر بائیس ۲۲ خطوط مولانا فراہی کو لکھے ہیں، جس کے جواب میں وہ اپنے گراں قدر نتائج تحقیق علامہ کو بھیجتے تھے جس کی شہادت خود مکاتیب شبلی سے ملتی ہے۔ حق یہ ہے کہ سیرۃ النبیؐ میں شیر شبلی سے قند فراہی کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔